© rasailojaraid.com

اسلامی تمدّن

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

اس مضمون کی پہلی قسط برہان ستمبر ۴۲ء میں شائع ہوئی تھی کہ صاحبِ مضمون اسیرِ فرنگ ہوگئے اور مقالہ کا سلسلہ رک گیا۔ اگرچہ تھوڑے دنوں بعد ہی موصوف کے مسودات میں یہ پورا مقالہ مل گیا تھا مگر دوسرے مسلسل مضامین کی وجہ سے اب تک اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی تھی اب ہم پھر اس سلسلہ کو شروع کرتے ہیں اور چونکہ فصل بہت ہوگیا ہے اس لئے پہلی قسط بھی ازسرِنو شائع کی جارہی ہے۔ (برہان)

لغت سے قطع نظر جب ہم لفظِ "تمدن" بولتے ہیں تو اس سے زندگی کے وہ تمام شعبے مراد ہوتے ہیں جو دنیوی حیات وبقا کے لئے ضروری ہیں اور اس لئے کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کے مخصوص طریقوں پر بھی تمدن کا اطلاق ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں قوم کا یہ تمدن ہے تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے کہ اکل وشرب میں لباس میں اور بود وماند میں اس کا یہ خاص طریقۂ زندگی ہے۔ ملک اور قوم کے نام پر تو دنیا میں تمدن کا ہمیشہ چرچا رہا ہے اور تاریخہائے قدیم وجدید اس ذکر سے پُر ہیں۔ ہم آپس میں بھی یہ کہتے رہتے ہیں کہ یہ یورپین تمدن ہے اور یہ ایشیائی تمدن اور ایشیا میں بھی یہ ہندوستان کا تمدن ہے اور یہ ایران کا یہ چینی تمدن ہے اور یہ جاپانی۔

تو کیا مذہب کے نام پر بھی کسی تمدن کو منسوب کیا جاسکتا ہے اور کیا کسی مذہب نے مذہبی نقطۂ نظر سے کسی ایسے تمدن کی تعلیم دی ہے جو ملک، وطن اور قوم کی خصوصیات وامتیازات کے باوجود مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممالک و اقوام کے لئے یکسانیت رکھتا اور اس سلسلہ میں مساوات کی دعوت دیتا ہو؟

معلوم نہیں کہ اور مذاہب و ملل اس کا کیا جواب دیں لیکن اسلام کا بے شبہ یہ دعویٰ ہے کہ وہ ایک ایسے ہمہ گیر مساوی تمدن کا حامل ہے جو اقوام و امم اور ممالک و اوطان کے خصوصی امتیازات سے بالاتر ہو کر سب کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے اور حقائق سے منکر ہو کر ملکوں کی موسمی اور جغرافی خصوصیات و امتیازات کی بالکل پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے تمدن کی دعوت دیتا ہے جس کی پابندی کے باوجود ہر اہل ملک اپنے طبعی، جغرافی، موسمی اور ملکی تغیرات و خصوصیات کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے اور یہی اس ہمہ گیر تمدن کی خوبی اور برتری ہے کہ وہ اپنی قیود و حدود میں پابند انسان کو فطری ماحول کے خلاف مجبور بھی نہیں کرتا اور مختلف ممالک کی اقوام و امم کو ایک رشتہ تمدن میں بھی منسلک کر دیتا ہے۔

اسلام کے اس نظریہ کی تشریح و تفصیل کیا ہے؟ یہی آج کی صحبت میں ہمارا موضوعِ بحث ہے۔

گذشتہ سطور میں تمدن کے مفہوم سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے پیش نظر "اسلامی تمدن" کی تشریح و توضیح میں بھی اس کو حسب ذیل شعبوں میں تقسیم کر کے جدا جدا ہر ایک شعبہ پر بحث کرنا مناسب ہوگا

(۱) اسلامی نقطہ نظر سے تمدن کی اساس اور اس کے متعلق عام اصول و احکام۔

(۲) اکل و شرب (۳) لباس (۴) وضع قطع۔ (۵) بود و ماند۔

تمدنِ اسلامی کی اساس

اسلامی معاشرت اور تمدن کی اصل یا اس کی اساس صرف ایک قانونی دفعہ پر قائم ہے اور وہ یہ کہ مسلمان کے شعبہ ہائے حیات میں ایسا کوئی عمل نہیں پایا جانا چاہیے جو دوسرے کسی مذہب کے امتیازی نشانات میں شمار ہوتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے، پہننے، شکل و صورت اور بود و ماند میں ایسا طریقہ نہ اختیار کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے جو غیر مسلم اقوام و امم کے مذہبی امتیازات یا نشانات کے لئے مخصوص ہو اور یہ کہا جا سکے کہ ایک مسلم نے "غیر مسلم شعار" کو اختیار کر لیا۔

کافر و مشرک گروہ کی مذہبی زندگی میں صرف اعتقادات شرک و کفر ہی وجہِ امتیاز و تخصیص نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے مخصوص معتقدات کے اثرات اور مقتدایانِ مذہب کی عائد کردہ پابندیوں سے پیدا شدہ رسم و رواج کی بنا پر زندگی کے ہر شعبہ میں بعض ایسی خصوصیات و امتیازات رکھتا ہے جو اس کے جاہلی اعتقادات و مشرکانہ زندگی کے لئے وجہِ امتیاز بن کر کفر و شرک کی زندگی کے لوازم بن جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اگر ایک شخص مذہب اور مذہبی احکام سے ناآشنا ہو تب بھی جب وہ کسی شخص کو ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو استعمال کرتا دیکھتا ہے تو فوراً یہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ فلاں جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

غرض یہودی ہو یا نصرانی، مجوسی ہو یا مشرک، ان کے شعبہ ہائے حیات کا کوئی بھی طریق کار اگر ان کی معاشرت کا ایسا جزء بن گیا ہے کہ ان کے مذہبی یا قومی نشان و امتیاز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو اسلامی تمدن کی سب سے پہلی اساس یہ ہے کہ "مسلم" کے لئے وہ طریقِ کار قطعاً غیر اسلامی ہے اور فقہِ اسلامی اس کے لئے "حرام" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

چنانچہ قرآنِ عزیز کی یہ آیات اسی اساس و اصل کا پتہ دیتی ہیں۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ	اور جس شخص پر ہدایت کی راہ واضح ہو جائے اور اس پر بھی
مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ	وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ
سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ	چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو ہم اسے اسی طرف کو لیجائیں گے
وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ	جس طرف جانا اس نے پسند کر لیا اور اسے دوزخ میں پہنچائیں گے
مَصِيرًا۔ (نساء)	اور یہ پہنچنے کی کیا ہی بری جگہ ہے۔
وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ	اور اگر تو ان (اہلِ کتاب) کی خواہشوں پر چلا اس علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَاجَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (بقرہ)

کے بعد جو تجھ کو پہنچ گیا ہے تو بیشک تو بھی ظلم کرنے والوں میں ہوگا۔

ان آیات کے جملے "غیر سبیل المومنین" اور "اتبعت اھواءھم" میں اسی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے "جو غیر مسلموں کا طریق" کہلایا جاسکے اور اس کو "مسلم طریق" کسی طرح نہ کہہ سکیں اور یہ صورت اسی وقت بنے گی جب وہ طریق کار غیر اسلامی شعار وامتیاز کی حیثیت اختیار کرلے۔ نیز یہ کہ کفار اور مشرکین کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہیں ہونی چاہیے اور ایسا کرنا خدا کے تعلق کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا اطلاق اعتقادات کے ماسوا ان تمام طریقوں پر کیا جائیگا جو رسوم وشعائر جاہلیت وکفر سے وابستہ ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات ہیں جن کے مفہوم کی وسعت کے پیش نظر مسطورۂ ذیل احادیث کو ان کی تفسیر وتشریح کہا جاسکتا ہے۔

عن ابن عمرؓ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منہ ۔ [۱]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی دوسری قوم کے ساتھ مشابہت کرلی تو وہ اسی قوم میں سے ہے۔
عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من تشبہ بغیرنا ۔ [۲]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے ہم مسلمانوں کے علاوہ دوسروں کے ساتھ مشابہت کرلی۔

یعنی ایک شخص مسلمان ہونے کے باوجود "زنار، جنیو" پہنتا ہے یا "صلیب" گلے میں لٹکاتا ہے یا عود کو سوت یا ریشم کی رسی میں باندھ کر کمر پر پٹکے کی طرح باندھتا ہے تو بے شبہ یہ شخص بالترتیب مشرکین یا نصاری

---

[۱] ابوداؤد۔ معجم اوسط للطبرانی۔ [۲] ترمذی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا مجوس کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے اور اس کے لیے شریعت اسلامی کا یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ ہم میں (اہلِ اسلام میں) سے نہیں ہے۔

یا مثلاً ایک شخص اسلامی اعتقادات پر ایمانِ کلی رکھتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے تاہم سر پر ہندوؤں کی طرح چوٹی رکھتا، چوکا لیپ کر کھانا کھاتا، مسلمانوں کے ہاتھ کی چھوئی چیز کو ناپاک سمجھکر اس کو استعمال نہیں کرتا، عیسائیوں کی طرح گھر میں برکت کے لئے صلیب کے نشان بناتا، پادریوں کے سامنے کنفیشن (اظہارِ گناہ برائے توبہ) کرتا ہے۔ یا پارسیوں کی طرح آگ کے ساتھ تقدس کا معاملہ کرتا ہے تو دعویٰ اسلام کے باوجود وہ مسطورہ بالا آیات واحادیث کا مصداق ہے اور اس کو یہی کہا جائے گا کہ لیس منا یہ ہم میں سے نہیں ہے۔

غرض ان آیات واحادیث میں اس اتباع اور تشابہ کی سخت ممانعت کی گئی ہے جو مسلمانوں کے خلاف دوسری قوموں کے مذہبی شعار یا قومی شعار بن چکے ہوں یعنی وہ ایسے رسوم وشعائر ہیں جن کو اس لئے کیا جاتا ہے کہ دوسروں کو یہ تعارف رہے کہ یہ ہندو ہے یہ نصرانی ہے یہ یہودی ہے یا یہ مجوسی ہے۔ مثلاً ہولی میں رنگ کھیلنا اور ہندوؤں کے ساتھ ہولی کھیلنا۔ کرسمس میں نصاریٰ کی رسوم اور نوروز میں مجوس کی مشرکانہ رسوم ادا کرنا۔

یہ بھی واضح رہے کہ مشرکین، مجوس اور اہلِ کتاب کے تشبہ اور اتباع کی ممانعت سے متعلق ان آیات کا اطلاق اگرچہ بعض ایسے اعمال پر بھی ہوتا ہے جو متذکرہ بالا اقسامِ تشبہ میں داخل نہیں ہیں مگر وہ اطلاق آیات واحادیث کے عموم کے پیشِ نظر ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ان خصوصی اور جزئی احکام کے تحت ہی ہوتا ہے جو ان خصوصی امور کے متعلق شارع کی جانب سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی منڈانے یا مونچھوں کو دراز کر کے بلند کرنے پر شریعت اسلامی نے جو ممانعت کی ہے وہ آیات اور احادیث زیرِ بحث کے عموم کے پیشِ نظر نہیں کی بلکہ اس لئے کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ خاص میں نصوص وارد ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ورنہ اگر صرف آیات واحادیث زیرِ بحث کا عموم اس کے لئے کافی ہوتا تو آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا کیونکہ ایک طرف اگر یہ عمل مشرکین، نصاریٰ اور مجوس میں عمومی حیثیت سے پایا جاتا ہے تو دوسری جانب ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھوں کا محو کرنا یا پست کرنا یہودیوں اور عیسائی پادریوں کا خاص شعار بن گیا ہے تو اب ایک شخص اگر ڈاڑھی منڈاتا ہے تو اس کے سامنے ہم حدیث مَن تشبہ بقومٍ پڑھکر اس کے اس عمل پر نکیر کریں گے اور اگر وہی شخص چند روز کے بعد ڈاڑھی بڑھا کر سامنے آتا ہے تب بھی ہم کو یہود کے عمل کو سامنے رکھکر یہی حدیث من تشبہ بقوم پڑھنا اور اس کے اس عمل پر نکیر کرنا چاہیئے اس لئے کہ اگر پہلا عمل مجوس، مشرکین اور عام نصاریٰ کا قومی شعار بن گیا ہے تو دوسرا عمل یہودیوں اور عیسائی پادریوں کا شعار بن چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاءِ اسلام نے اصولِ فقہ میں تصریح کی ہے کہ کسی نص کے عموم پر عام طریقہ سے حکم لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ فقہاء کا فرض ہے کہ وہ جس شے پر حکم لگانا چاہتے ہیں پہلے یہ دیکھ لیں کہ شارع کی جانب سے اس کے متعلق خاص اور جزئی کوئی حکم تو موجود نہیں ہے اگر ہے تو پھر اس شے پر اس خاص نص کے ماتحت حکم دینا چاہیئے نہ کہ عام نص کے عموم کے ماتحت۔ ہاں اگر اثباتاً و نفیاً اس کے متعلق کوئی خاص حکم موجود نہ ہو تو پھر مجتہد اور فقیہ کے اجتہاد کو دخل ہوگا کہ وہ اس خاص مسئلہ کو عام نص کی جزئی سمجھتا ہے یا نہیں۔ لہذا ریش و بروت کے مسئلہ میں من تشبہ بقوم کے عموم کو پیش کرنے کی بجائے ان احادیثی نصوص کو پیش کیا جائیگا جو نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص مسئلہ میں ارشاد فرمائے ہیں۔

البتہ جن امور کے متعلق ہم نے تصریح کی ہے وہ بے شبہ کسی خاص نص کے وارد ہونے کے محتاج نہیں ہیں اور ممانعت تشبہ کے تحت میں نصوص کے عموم کے ماتحت داخل ہیں اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جو تشبہ بالغیر کے لحاظ سے مذہبی شعائر اور ملی رسوم وعوائد میں شمار ہوتے ہیں اور غیروں کی نظروں اور خود مسلمانوں کی نگاہوں میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز پیدا کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اسلامی تمدن" کی یہ اساس درحقیقت مسئلہ کا منفی پہلو ہے مگر بہت اہم اور بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے، مسئلہ زیر بحث کا مثبت پہلو کیا ہے؟ اور وہ کس طرح تمدنِ اسلامی کے لئے اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے؟ یہ بات تنقیح طلب ہے اور چند ابتدائی مقدمات پر مبنی ہے۔

(الف) قرآنِ عزیز، حدیثِ رسول اور اجماعِ امت نے عملی زندگی کے شعبوں میں سے کسی شعبہ کے متعلق اگر بصراحت کوئی حکم دیا ہے تو وہ تمدنِ اسلامی میں شامل ہے اور صراحت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا عمل اور اپنی موجودگی میں صحابہ کے قول و عمل پر سکوت، یہ تینوں باتیں داخل ہیں۔

(ب) یہ حکم" اپنے فقہی درجات کے اعتبار سے" فرض و واجب" ہے یا" سنت" یا مستحب" یا "مباح" تو اس کو تمدنِ اسلامی میں وہی حیثیت دی جائے گی جو جمہور یا اکثر مجتہدین و فقہار امت کے مسلک سے مطابقت رکھتی ہو کیونکہ "تمدنِ اسلامی" اور "مسلم کلچر" تمام مسلمانوں کی متحدہ امانت ہے۔ لہذا اس میں اس وسعت کو تسلیم کرنیا چاہیئے ورنہ کسی بھی شے کو "مختلف فیہ مسائل" کی حیثیت میں لے آنے کے بعد اس کے متعلق "اسلامی تمدن" میں شمولیت کا دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ "اسلامی تمدن" اور "مسلم کلچر" کی تعیین و تحدید جب ہی ممکن ہے کہ وہ حنفی تمدن، شافعی تمدن، مالکی تمدن، حنبلی تمدن اور اہلحدیث تمدن میں منقسم نہ ہو بلکہ اپنے وجود میں صرف "اسلامی تمدن کہلاتا ہو۔ اور اس کے لئے صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ جمہور یا اکثر مجتہدین و فقہار کا مسلم ہو اور دوسری جانب یا سرے سے کوئی رائے مخالف ہی نہ ہو اور یا شاذ اقوال ہوں۔

جمہور اور اکثر فقہار و مجتہدین کے قول کو شاذ اقوال پر ترجیح دینے کے اس مسئلہ کو تجدد لپسندی سے اس دور میں یورپین قوانین کے طرز رائے شماری کی تقلید کے پیش نظر نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اس اسلامی طرزِ فیصلہ کے مطابق تسلیم کرنا چاہیئے جس کو سامنے رکھکر فقہار امت اور علمارِ ملت جگہ جگہ مسائل کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں" وعلیہ الاکثر" وعلیہ الجمہور" یعنی اکثر فقہا، یا جمہور فقہا اور علمار کی رائے یہی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کتبِ فقہ میں کثرت سے مذکور ہے "لانہ رائ الاکثر وعلیہ الفتویٰ" "وعلیہ الفتویٰ لانہ رائ الجمہور" یعنی اکثر کی رائے اسی جانب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ جمہور کی رائے اسی جانب ہے۔

(ج) جس شے کے متعلق نص نے "امر" کیا ہے وہ اگر فقہارِ امت کے نزدیک "سنت" میں داخل ہے تو اس جگہ "سنتِ سنیہ" مراد ہوگی "سنتِ عادیہ" نہیں مراد لی جائیگی۔

اس اجمال کی شرح شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سنتِ رسول" (یعنی وہ عمل جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا طریقہ کار بنا یا ہو) کی دو صورتیں ہیں اگر آپ نے اس عمل کو خود بھی کیا اور دوسروں کو بھی اس کے کرنے کی ترغیب دی یا صحابہؓ نے اس کو آپ کے سامنے اس پابندی کے ساتھ کیا کہ گویا وہ شریعت کا فیصلہ ہے اور آپ نے ان کے اس طرز پر سکوت فرمایا تو یہ عمل شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں "سنتِ سنیہ" کہلائیگا اور اگر وہ زندگی کے ان شعبوں سے متعلق ہے جن پر تمدن کا لفظ حاوی ہے تو بے شبہ اس کو تمدنِ اسلامی میں شرعی حیثیت حاصل ہوگی۔

اور اگر آپ کا وہ عمل محض اتفاقی ہے یا ذاتی تقاضائے طبیعت سے ہے یا ان عادات و رسوم میں سے ہے جو عربی نژاد ہونے کی وجہ سے آپ سے عمل میں آتی تھیں اور ان کو آپ ناپسند نہیں فرماتے تھے تو اس قسم کے اعمال "سنتِ عادیہ" میں داخل ہیں اور یہ فقہی اعتبار سے مذہبی احکام میں داخل نہیں ہیں البتہ اگر کوئی شخص عشقِ رسول میں سرشار ان کو بھی اپنی زندگی میں داخل کر لیتا ہے تو عشق و محبت کا یہ معاملہ فقہی احکام سے جدا ہے۔ مثلاً کتب احادیث میں صحیح روایات سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکاریوں میں کدو بہت محبوب تھا اور لباس میں "سپید لباس" اور یمنی چادر مرغوب تھے یا آپ نے عمر مبارک کے بیشتر حصہ میں عرب کے رسم و رواج کے مطابق تہ بند باندھا ہے تو یہ امور سنتِ عادیہ کہلائیں گے ان کو سنتِ سنیہ نہیں کہا جائیگا۔

(د) قرآنِ عزیز حدیثِ رسول اور اجماعِ امت نے اگر کسی چیز کے متعلق "نہی" فرمائی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ تمدن کے شعبوں میں سے کسی شعبہ سے متعلق ہے تو وہ تمدنِ اسلامی سے خارج کردی جائے گی بلکہ اس کے مخالف تمدن میں شمار ہوگی۔ اور اس ممانعت میں بھی فقہی درجات حرمت و کراہت کے پیشِ نظر اس کی حیثیت میں فرق تسلیم کیا جائے گا۔

(۵) اگر کسی تمدنی شے میں تشبہ یا عدم تشبہ کے اطلاق کا سوال پیدا ہو جائے تو اگر اس شے کے متعلق کوئی خاص نص موجود ہے تو اس نصِ خاص کو حکم کے لئے دلیل بنایا جائے گا "من تشبہ بقوم" کے عموم سے استدلال درست نہ ہوگا مگر اس حد تک جو نصِ خاص کے شمول میں آجاتا ہو۔

(۶) تمدن کے مسائل میں شریعت کی جانب سے جواز و عدم جواز کی دو شکلیں ہیں بعض چیزیں وہ ہیں جن کے جواز و عدم جواز کو استقلال حاصل ہے اور ان کا اختیار و ترک بذاتہٖ مقصود رہا اور بعض اشیار وہ ہیں جن کے امر و نہی کا مدار خارجی اسباب پر رکھا گیا ہے لہذا جن عوارض کی بنا پر وہ حکم صادر ہوا ہے اگر وہ عوارض مفقود ہو جائیں تو اس وقت وہ حکم بھی باقی نہیں رہیگا۔

مثلاً بخاری و مسلم کی صحیح احادیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کے ابتدائی دور میں چند اُن ظروف کے استعمال کی سخت ممانعت فرمادی تھی جو شراب کی محفلوں میں ضروریات شراب میں سے سمجھے جاتے تھے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب لوگوں کے دلوں میں شراب کی حرمت جاگزیں ہوگئی تو آپ نے ان ظروف کے استعمال کی اجازت دیدی لہذا آج بھی اگر کوئی شخص موجودہ زمانہ کی کسی مجلسِ شراب کے ظروف کو شربت اور دودھ وغیرہ کے لئے استعمال کرے تو ایسے ظروف کے استعمال کو ممنوع نہیں کہا جائیگا اور ان کا استعمال تمدنِ اسلامی کے خلاف نہیں سمجھا جائیگا۔

سطورِ بالا میں مسئلہ زیرِ بحث کا رخ زیادہ تر "اسلامی تمدن کی اساس" کی جانب رہا جس میں بدلائل یہ واضح کیا گیا کہ وہ کون سی بنیادی وجہ ہے جو اسلامی تمدن کو دوسرے تمدنوں سے ممتاز کرتی اور ملکوں کے جغرافی طبعی اور موسمی حالات میں تفاوت ہونے کے باوجود یکساں طور پر سب کو ایک ہی سلک میں منسلک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتی ہے۔ باایں ہمہ اس کے امتثال میں کسی ملک کے مسلم باشندہ کو اپنے شعبہ ہائے حیات میں کوئی ضیق اور تنگی پیش نہیں آتی۔ مسئلہ زیرِ بحث کی تحقیق کو جاری رکھنے کے لئے اس مقام پر بھی اس کا خلاصہ پیشِ نظر رکھنا مفید ہوگا اور وہ یہ ہے کہ "مسلمان کے شعبہ ہائے زندگی میں ایسا کوئی عمل نہیں پایا جانا چاہیے جو دوسرے کسی مذہب کے امتیازی نشانات میں شمار ہوتا ہو اور اس کے اختیار کرنے پر یہ کہا جا سکے کہ یہ فلاں مذہب و ملت کا شعار ہے۔"

اس حقیقت کو بنیادی نقطہ قرار دے کر ہمارے پیش نظر زندگی کے مختلف شعبوں میں سے سب سے پہلے اس شعبہ کے متعلق تحقیق مطلوب ہے جس کو ہم نے "بود و ماند" سے تعبیر کیا ہے۔

"بود و ماند" اور اسلامی تمدن مسئلہ کی تحقیق میں "بود و ماند" کو اس لئے اولیت حاصل ہے کہ اس کی تشریح و تفصیل سے دوسرے شعبوں پر آسانی کے ساتھ روشنی پڑ سکتی ہے کیونکہ اس کا اثر اکل و شرب، لباس، وضع قطع سب پر حاوی ہے۔

اس سلسلہ میں "اسلامی تمدن" سب سے پہلے "انسانیت" پر بحث کرتا ہے وہ کہتا ہے ایک مسلم کو یہ حقیقت ہر وقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ "انسانیت" اپنی فطرت میں ناپاک نہیں ہے اور نہ "نسل و خاندان کی وراثت" کسی کو نجس بناتی ہے اور نہ معاشی وسائل کا "کوئی پیشہ" کسی ہستی کو انسانیت سے خارج کرتا ہے لہذا از بس ضروری ہے کہ ان تمام حقائق کو باور کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا جائے کہ سب انسان "درجۂ انسانیت میں" مساوی اور برابر ہیں اور کسی شخص کا کسی خاندان اور نسل سے ہونا یا کسی شخص کا خاص معاشی پیشہ اختیار کرنا اس کی انسانی بلندی و پستی کا معیار نہیں ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث کی اس حقیقت تک پہنچنے کے بعد دوسرے تمدنوں کے مقابلہ میں اسلامی تمدن کا امتیاز اس طرح نمایاں ہو جاتا ہے کہ دنیا کے موجودہ تمدنوں میں خواہ وہ مذہب کی بنیاد پر قائم ہوں یا رسم و رواج کے زیرِ اثر بنے ہوں "بعض تمدن انسانیت کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں ایک فطرۃً پاک اور دوسرا فطرۃً ناپاک یعنی ایک انسان اپنے اعمال و کردار کے اعتبار اور کیریکٹر کے لحاظ سے کتنا ہی بداخلاق بدعمل اور بدکردار ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اگر وہ کسی خاص نسل اور خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو وہ بہر حال پاک ہے اور دوسرا انسان کتنا ہی اخلاقِ حسنہ کا پیکر، اعمال حسنہ کا عامل اور کردار کا صادق ہو لیکن اگر وہ کسی خاص خاندان یا نسل سے تعلق رکھتا ہے تو بہر حال ناپاک اور نجس ہے پھر بنی نوعِ انسان کے پاک اور ناپاک ہونے کی یہ تقسیم صرف اعتقادیات سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ تمدن کے ہر شعبہ میں جاری و ساری ہے۔

چنانچہ اول الذکر کو انسانیت کے تمام حقوق حاصل ہیں اور مجلس اور سوسائٹی کے لئے اس کا وجود قابل فخر و مباہات ہے اس کے برخلاف ثانی الذکر انسان ہمہ قسم کے انسانی حقوق سے محروم اور تمدنی و معاشرتی شعبوں میں عملاً ایک حیوان کی مانند شمار ہوتا ہے۔

تمدنِ انسانی کا یہ وہ نظریہ ہے جو ہندوستان کے اندر ہندوؤں میں منو کے قائم کردہ "چار ورنوں" پر قائم ہے ان ورنوں میں سے برہمن، کشتری، اور ویش درجات کے تفاوت کے ساتھ ساتھ انسانیت کی پہلی قسم میں داخل ہیں اور شودر اور اچھوت انسانیت کی دوسری قسم میں شامل ہیں۔

گویا برہمن مثلاً پیدائش اور نسل کے لحاظ سے پاک ہے اس لئے اعمال کے اعتبار سے کتنا ہی نجس اور ناپاک کیوں نہ ہو تمدنی حقوق میں اس کے ساتھ "پاک انسان" ہی کا معاملہ کیا جائیگا اور شودر مثلاً پیدائش اور نسل کے اعتبار سے ناپاک ہے اس لئے اخلاق و کردار کے پیش نظر وہ کتنا ہی پاک کیوں نہ ہو، تمدن و معاشرت میں اس کے ساتھ "ناپاک انسان" ہی کا سا معاملہ رکھا جائیگا۔

یہود اگرچہ یہودیوں کے درمیان اس تقسیم کو جائز نہیں رکھتے لیکن مذہبی نقطۂ نظر سے یہود اور غیر یہود کے درمیان وہ بھی اس تقسیم کو ضروری خیال کرتے ہیں چنانچہ تمدنی اور معاشرتی معاملات میں ان کی نگاہ میں صرف یہودی "پاک" ہے اور غیر یہودی "ناپاک"۔ اور اس نقطۂ نگاہ کی بنا پر اگر کوئی غیر یہودی ان کے درمیان بس جائے تو وہ بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہودیوں کے نزدیک وہ ایک ناپاک انسان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا

بعض مذاہب کے تمدن اگرچہ انسانیت کو ابتدائی درجہ میں تقسیم نہیں کرتے اور تمدنی و معاشرتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملات میں ان کے یہاں پاک اور ناپاک کی تفریق نظر نہیں آتی لیکن وہ انسانیت کے بعد تمدن میں درجات وامتیازات کو ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں گویا ان کے نزدیک پیدائش اور نسلی اعتبار سے اگرچہ انسانیت دو حصوں میں تقسیم نہیں ہے تاہم تمدنی اور معاشرتی لحاظ سے ضرور مختلف حصوں میں منقسم ہے اور اس لحاظ سے انسانی حقوق پہلے گروہ کی طرح یہاں بھی دو درجوں میں تقسیم ہیں۔

چنانچہ عیسائی تمدن میں "سوسائٹی کا امتیاز" اسی نظریہ اور اسی ذہنیت کے ماتحت کارفرما ہے اور یہ امتیاز محض دنیوی رسم و رواج کا رہینِ منت نہیں ہے بلکہ اس نظریہ کی پیداوار ہے جو رومۃ الکبریٰ کے عروج کے زمانہ میں پوپ کی جانب سے "کلیسا کا عقیدہ" بنا دیا گیا تھا اور جس میں مذہب کی جانب سے مذہبی پیشواؤں اور دنیاداروں کے درمیان تمدنی اور معاشرتی مخصوص امتیازات کو ضروری قرار دیا گیا تھا جن کی وجہ سے انسان کے انسانی حقوق میں بھی تفریق پیدا ہو گئی تھی اور غالباً آج اسی کا ردعمل ہے کہ مذہب سے آزادی کے باوجود وہی نظریہ ایک دوسری شکل میں تہذیبِ نو کے قالب میں ڈھل کر عیسائی تمدن میں کارفرما ہو کر انسانی سوسائٹی اونچے طبقے (اپر کلاسز) اور نیچے طبقے (لوئر کلاسز) دو حصوں میں باقاعدہ تقسیم ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ دونوں جماعتوں کے ہوٹل الگ ہیں، رہنے کے محلے الگ ہیں، کلب اور مجالس تفریح الگ ہیں اور حد یہ ہے کہ کلیسا اور گرجا الگ ہیں۔ گویا یوں سمجھئے کہ قولاً نہیں تو عملاً عیسائی تمدن میں بھی انسانیت دو حصوں میں بانٹ دی گئی ہے اور اس کا معیار نسل و خاندان کی برتری کے ساتھ ساتھ مالی تفوق و برتری کو بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس قوم کے تمدن میں خود اپنے مذہبی اور وطنی جماعتوں کے ساتھ یہ سلوک جائز سمجھا جاتا ہو اس میں جغرافیائی، طبعی اور ملکی اختلافات کی وجہ سے اگر "رنگ" کی بنیاد پر بھی انسانیت کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا گیا ہو تو کوئی خاص تعجب کی بات نہیں ہے۔

غیر فطری تمدنوں کے اثرات

انسانیت یا انسان کے متعلق تمدنی نقطۂ نظر سے ہندو نظریہ، یہودی نظریہ اور عیسائی نظریہ نے دنیا پر جو اثر ڈالا اور اس کے ذریعہ سوسائٹی کے نظام نے جو شکل اختیار کی اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب خود ان مذاہب کے عروج یا ان قوموں کے تمدنی عروج کی تاریخ دے سکتی اور دے رہی ہے۔

ہندو تمدن کے عروج کی تاریخ کا روشن پہلو تاریخی نقطۂ نظر سے زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی ہزار قبل مسیح تک پہنچتا ہے، اس تمدن میں "انسانیت" کو جس طرح طبقات و درجات میں تقسیم کیا گیا اس کے اثرات و نتائج نے سوسائٹی کے نظام کا سانچہ اس طرح بنایا تھا۔

اول انسانوں کے ایک گروہ کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ اپنی پیدائش سے ہی ناپاک پیدا ہوتا ہے اور عمل نیک کی کوئی زندگی بھی اس کے جسم کی ناپاکی کو دور نہیں کر سکتی لہٰذا ان کو "اچھوت" کہکر انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا اور وہ سوسائٹی کے جسم کا متعفن حصہ ہونے کی بنا پر جسم سے کاٹ دیا گیا، نہ ان کے ہاتھ سے کوئی چیز لی دی جا سکتی ہے اور نہ وہ متمدن زندگی کے کسی شعبہ میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراک کر سکتے ہیں۔ گویا وہ انسان نہیں بلکہ ذلیل قسم کے حیوانوں کا ایک گلہ ہیں جس نے صرف انسان کی شکل اختیار کر لی ہے۔ لہٰذا یہ نہ کسی اعلیٰ طبقہ کے فرد کے ساتھ کھا پی سکتے ہیں نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کا دامن بلکہ سایہ بھی اونچے طبقہ کے کسی فرد پر پڑ جائے تو وہ فرد بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور جب تک پاک ہونے کے مذہبی رسوم نہ ادا کرے اپنے ہم جنسوں میں شریک ہونے کے قابل نہیں رہتا۔

اس درجہ سے کچھ اوپر ایک درجہ "شودر" کا ہے۔ اس کے متعلق یہ طے کر دیا گیا کہ وہ برہمن، کھتری، ویش کی خدمات کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے اور اس سے زیادہ سوسائٹی کے نظام میں اس کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ہے اس طبقہ کو بھی اعلیٰ طبقہ کے افراد کے ساتھ کھانے پینے کا حق حاصل نہیں ہے خواہ علمی اور مالی اعتبار سے وہ اعلیٰ طبقہ کے افراد سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔

ان دونوں قسم کے امتیازات کے علاوہ انسانیت کی تقسیم کا ایک اور حصہ سامنے آتا ہے اور وہ خود اعلیٰ طبقات کے باہمی معاشرتی زندگی کا معاملہ ہے۔ اس جگہ پہنچ کر برہمن کھتری اور ویش کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف کھا پی سکیں بلکہ اس کے لئے خاص خاص قسم کی پابندیاں ہیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"چھوت اچھوت" کے تمدنی اصول پر قائم کی گئی ہیں یعنی یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ انسان کے جسم پر ظاہری ناپاکی موجود نہ ہونے کے باوجود اس کا جسم خصوصاً اس کا ہاتھ نسل و خاندان کے فرق کے لحاظ سے یا طبقات کی باہم بلندی و پستی کے معیار سے یا مذہب کے باہمی فرق کے اعتبار سے ناپاک ہے اور کسی شے کو مس کر دینے سے وہ شے ناپاک ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بعض مخصوص حالات کے پیش نظر خود اپنا پاک جسم بھی اپنے لئے ناپاک ہو جاتا ہے مثلاً کھانوں کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ اگر ان کو گوبھ کا چوکا بنائے بغیر کھایا جائے تو وہ کھانا ناپاک ہو جائیگا اور خود اس کا پاک ہاتھ ہی فقط اس کی ناپاکی کے لئے کافی سمجھا جائیگا۔

ہندو سوسائٹی کے نظام تمدن کا یہ معاملہ صرف کھانے اور پینے اور باہم رہنے سہنے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ معاشرت کے دوسرے قوانین پر بھی حاوی ہے یعنی اچھوت اور شودر سے قطع نظر برہمن کھتری اور ویش کے باہمی فروق کی بنا پر اعلیٰ طبقات کے مابین ازدواجی تعلقات بھی مذہباً قطعاً ممنوع ہیں اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ مذہب اور نظام سوسائٹی دونوں کو بیک وقت چیلنج کرتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ برہمن کو برہمن کے ساتھ بھی ازدواجی تعلقات ممنوع ہیں جب تک کہ "گوت" کے لحاظ سے بھی ہمسر نہ ہو۔

نیز طبقاتی تقسیم کے اس سانچہ نے مرد اور عورت کے صنفی نہیں بلکہ انسانی حقوق میں بھی اونچ اور نیچ کا فیصلہ کر دیا ہے یعنی اس نظام کے قانونِ وراثت میں "عورت" ماں، بہن بیٹی اور بیوی ہر حیثیت میں محروم الارث قرار دی گئی ہے اور اگرچہ مشترک خاندان کی حیثیت میں اس کی حیاتِ مستعار کے لئے روزینہ یا وظیفہ یا مشاہرہ ضرور مقرر ہو جائیگا لیکن بیٹے، بھائی، باپ اور شوہر سے باقاعدہ وراثت پانے کی حقدار نہیں ہے اور یہ حق صرف "مرد" ہی کو حاصل ہے۔

ہندو تمدن یا نظام سوسائٹی کا یہ مختصر خاکہ ہے جو سب سے پہلے سوال کے جواب میں کہ انسان بہ حیثیت انسان ایک ہے یا مختلف طبقات میں تقسیم پیش کرتا ہے اور جس کو اور زیادہ اختصار کے ساتھ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نسل و خاندان کے فرق مراتب سے پیدائشی پاک اور پیدائشی ناپاک (پوتر اور اچھوت) کی تقسیم نسل مذہب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور طبقہ کے باہمی فرق اور رسم و رواج کے لحاظ سے اشیاء میں پاکی و ناپاکی (چھوت اچھوت) کے احکام اور مرد اور عورت کے درمیان انسانی حقوق میں تفریق کا فیصلہ اس نظامِ تمدن کے بنیادی ستون ہیں۔

عیسائی تمدن کا تاریخی عروج دو حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ حصہ جس میں تمدن پر "مذہب" کی حکومت تھی اور دوسرا وہ حصہ جس میں مذہب سے آزاد ہو کر تمدن کی بنیاد ڈالی گئی۔ پہلے حصہ کی روشن تاریخ کا زمانہ رومۃ الکبریٰ کی عیسائی حکومت کے عروج کا زمانہ ہے۔ اس دور میں "کلیسا" کی جانب سے تمدنی حقوق میں دو باتیں اصل الاصول کی حیثیت رکھتی تھیں ایک یہ کہ دنیاداروں کا طرزِ معاشرت مذہبی مقتداؤں کے طریقِ معاشرت سے جدا ہونا چاہئے اور کلیسا نے جو لباس وضع قطع اور بعض دوسرے معاشرتی امور مقتداؤں اور ربیّوں کے لئے مخصوص کر دیئے ہیں وہ عام عیسائیوں کو اختیار کرنا ممنوع ہیں اور اگر وہ ایسا کریں تو کلیسا ان کے لئے "سزا" تجویز کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ انسانی حقوق کے اختیار میں مرد مختارِ کل ہے اور عورت اکثر و بیشتر حقوقِ انسانی سے محروم ہے۔ مثلاً نہ وہ بحیثیتِ عورت وراثت کی حقدار ہے نہ وہ اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکتی ہے نہ اس کو مالیات میں بیع، رہن، کفالت، وکالت کا حق حاصل ہے اور نہ وہ تولیت اور شہادت کی اہل ہے۔

صدیوں کے اس عیسائی تمدن کے تباہ ہونے کے بعد مذہب سے آزادی کی بنیادوں پر جو تمدن چند صدیوں سے عیسائیت کا تمدن بنا ہوا ہے اور روشن تہذیب اور انسانی حقوق میں تشدد و ارتقاء کا مدعی ہے اس تمدن میں بھی اگرچہ آج سے نصف صدی قبل تک "عورت" کے متعلق وہی قدیم نظریہ کارفرما تھا جو کلیسا کے نام پر روم کے پاپاؤں کی ایجاد ہے اور یورپ کے بعض حصوں میں اب بھی بڑی حد تک کارفرما ہے لیکن آج کی دنیا میں اس نے چند تبدیلیاں کر لی ہیں اور ردِ عمل کے اصول پر اب عورت کو بے حیائی کے درجہ تک آزادی عطا کر دی ہے اور حکومت کے اثرات کے باعث اب یہ تمدن مشرق و مغرب کی قوموں پر بھی اثرانداز ہوتا جا رہا ہے۔ تاہم اس تمدن کے امتیازی خد و خال یہ ہیں (۱) نسل و خاندان اور مالی امتیازات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنا پر اونچے طبقہ کے لئے مذہبی گرجا، کلب، سیرگاہیں، ہوٹل اور دوسرے بعض حقوقِ تمدن نیچے طبقے کے انسانوں سے جدا اور ممتاز ہیں اور ایک مذہب کے پیرو ہونے کے باوجود "لوور کلاسز" کے کسی فرد کو "اپر کلاسز" کے ان امتیازی حقوق میں حصہ دار ہونے کا قانوناً حق نہیں ہے۔ (۲) ازدواج بین الملل کو جائز رکھتا ہے یعنی ہر ایک مذہب کے مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ (۳) نہ صرف انسانی حقوق بلکہ صنفی حقوق میں بھی عورت و مرد مساوی ہیں اور اس لئے عورت کے لئے کسی قسم کے حجاب کی ضرورت نہیں ہے یعنی جس طرح قدیم عیسائی تمدن میں عورت، انسانی حقوق سے بھی محروم تھی وہ آج کے دورِ ارتقا میں اگرچہ اب بھی بعض انسانی حقوق سے محروم ہے تاہم اس کو صنفی حقوق کے فطری امتیازات سے کلیۃً آزاد کر دیا گیا ہے

یہودی تمدن کا مذہبی پس منظر صرف بنی اسرائیل کے عروج کا زمانہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ ان کا آج کا تمدن قدیم مذہبی اور جدید یورپین آزاد تمدن کی مخلوط شکل ہے جو چند مذہبی رسوم کے علاوہ جدید تمدن ہی کا رہینِ منت ہے اور بنی اسرائیل کا وہ تمدن جو انبیاء و رسل کی نگرانی میں ترقی پاتا رہا تھا مٹ چکا ہے اس لئے اس تمدن کی امتیازی شکل و صورت کے لئے صرف گذشتہ سطور میں بیان کردہ امتیاز ہی کا ذکر کیا جا سکتا ہے یا اس قدر اور اضافہ ہو سکتا ہے کہ ان کے یہاں بھی قدیم عیسائی تمدن کی طرح بعض تمدنی حقوق میں مقتداؤں اور تمام یہودیوں کے درمیان امتیاز تھا اور آج بھی ہے کیونکہ یہ دونوں تمدن ایک ہی "منبع" کی دو شاخیں ہیں جو اسرائیلی پیشواؤں کی مذہبی اختراعات کا رہینِ منت ہے۔

اور پارسی تمدن کا زرتشتی دور مٹ جانے کے بعد جس تمدن نے ان میں رواج پایا اور جس کے خدوخال آج تک ان کے درمیان موجود ہیں وہ مزدک کی تعلیم کا رہینِ منت ہے جو دورِ فاروقی تک پورے عروج کے ساتھ ایران میں کارفرما رہا اس لئے وہی قابلِ ذکر ہو سکتا ہے۔ اس دور میں معاشرتی قوانین کا اکثر حصہ تو روما الکبریٰ کے قوانینِ معاشرت سے ملتا جلتا ہے اور طرزِ حکومت کی یکسانیت کی وجہ سے بادشاہ، امراء، رؤساء اور عام رعایا کے تمدنی حقوق کے درمیان امتیازات بھی اسی طرح کے پائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں، البتہ عورت کے بارہ میں یہ اضافہ تھا کہ عورت "صرف عورت ہے" وہ نہ ماں ہے نہ بہن ہے اور نہ بیٹی یعنی ان رشتوں کے درمیان مزدک کی تعلیم میں ازدواجی رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ ان کا موجودہ تمدن پوری طرح اپنا تمدن نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے جنوب مغرب میں آباد ہونے کے بعد ہندو تمدن، مسلم تمدن اور جدید یورپین تمدن سے مخلوط ہو گیا ہے۔

اور سکھ تمدن، ہندو تمدن ہی کی ایک شاخ ہے اور بعض جزئی فروق کے ساتھ اسی تمدن کی بنیادوں پر قائم ہے اس لئے علیحدہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔

بود و ماند اور معاشرتی مسائل میں ان مذہبی اور رواجی تمدنوں سے الگ "اسلام کا تمدن" ہے جس میں انسان کے حقوقِ انسانیت کا معیار ان سب تمدنوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔

تمام انسان حقوقِ "انسانیت" میں مساوی ہیں

اسلامی تمدن نے مسطورہ بالا تمدنوں کے مقابلہ میں یہ اعلان کیا کہ ہر ایک انسان "انسانی حقوق میں" مساوی ہے اور انسان کی طہارت و نجاست پیدائشی شے نہیں ہے کہ نسل و خاندان سے وابستہ ہو بلکہ یا اعمال و کردار سے لازم آتی ہے۔ مثلاً شرک یا معصیات کی نجاست اور یہ "روحانی نجاست" ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا	بے شبہ مشرکین نجس اور ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہیں آئیں گے۔

یعنی اب ان کو خدا کے پاک گھر میں ناپاک مشرکانہ رسوم ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مشرکین، شرک کی وجہ سے جسمانی حیثیت سے ناپاک ہیں۔ چنانچہ مشہور محققِ اسلام حافظ عماد الدین بن کثیر اس آیت کی تفسیر میں جمہور کا مسلک یہ تحریر فرماتے ہیں۔

ودلت هذه الآية الكريمة على نجاسة المشرك كما ورد	اور یہ آیت مشرک کی نجاست پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے "مومن ناپاک نہیں ہوتا" لیکن جمہور علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی الصحیح "المومن لا ینجس"
واما نجاسۃ بدنہ فالجمہور
علی انہ لیس بنجس البدن و
الذات لان اللہ تعالیٰ احل
طعام اھل الکتاب ۔
(ج ا ص ۳۴۶)

کہ اس آیت سے روحانی نجاست مراد ہے نجاستِ بدن مراد نہیں ہے اور مشرک کا بدن اور اس کی ذات (شخصیتِ انسانی) نجس اور ناپاک نہیں ہوتے اس لئے کہ اس آیت میں مشرک کی نجاست کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ "شرک" ہے اور اس لئے وہ نصاریٰ اور یہود کے لئے بھی عام ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نص کے ذریعہ ان کے طعام (کھانے) کو ہمارے لئے حلال قرار دیا ہے ۔

جمہور کا مسلک صرف اس لئے قوی نہیں ہے کہ "جمہور کا مسلک" ہے بلکہ بخاری کی صحیح روایت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مسلک منقول ہے چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ جب ۹ھ میں یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیقِ اکبرؓ کی امامت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ مکہ میں جا کر یہ اعلان کر دیں ۔

ان لا یحج بعد ھذا العام مشرک
ولا یطوف بالبیت عریان [1]

اس سال کے بعد اب کوئی مشرک (مشرکانہ رسوم کے ماتحت) حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر طواف کر سکتا ہے ۔

اس لئے مسلم ہو یا کافر موحد ہو یا مشرک اس کا بدن اور اس کی ذات نجس اور ناپاک نہیں ہے جس کے لمس سے کوئی شے ناپاک ہو جائے کیونکہ "شرک" نجاستِ روحانی ہے نجاستِ بدنی نہیں ہے ۔

بہر حال "انسان" میں نجاست یا اعمال و کردار سے آتی ہے اور یہ روحانی نجاست ہے اور یا کسی ناپاک شے کے وقتی طور پر کسی حصہ جسم پر لگ جانے سے ظاہر ہوتی ہے مثلاً پیشاب پاخانہ یا شراب سے جسم کا ملوث ہو جانا اور یہ جسمانی نجاست" ہے جو پانی یا مٹی سے دور ہو جاتی اور اس حصۂ جسم کو پاک کر دیتی ہے اور اس میں بھی مسلم اور مشرک کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے چہ جائیکہ کافروں اور مشرکوں کے درمیان اونچ اور نیچ ذات کے فرق سے کوئی امتیاز ہو ۔

[1] بخاری کتاب الحج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی تمدن کی اس قانونی دفعہ کا مفاد یہ ہے کہ اسلامی تمدن میں نہ کوئی "اچھوت" ہے اور نہ کسی سے (چھوت) ہے بلکہ ہر ایک انسان کا جسم اور بدن اپنی ذات اور انسانیت کے لحاظ سے پاک ہے۔

اسلامی تمدن کا یہ امتیازی فیصلہ قرآن اور حدیث کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور صرف کسی مجتہد کے اجتہاد اور کسی فقیہ کے تفقہ کا رہینِ منت نہیں ہے کہ یوں کہہ دیا جائے کہ اسلامی تمدن کا یہ فیصلہ سوسائٹی کے ارتقائی منازل کا قدرتی نتیجہ ہے اگرچہ اس میں بھی بہرحال اسلام ہی کی برتری ثابت ہوتی ہے جس نے انسانیت کے اس ارتقائی درجہ کا سب سے پہلے اعلان کیا کہ "انسانی حقوق میں تمام انسان برابر ہیں" قرآنِ عزیز میں اس حقیقت کا اعلان متعدد مقامات پر اس طرح کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي	اے لوگو! تم اپنے پروردگار کا خوف کرو جس نے تم کو ایک جان
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ	(آدم) سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا	اور ان دونوں سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں
كَثِيرًا وَنِسَاءً (الآیہ)	پھیلا دیا۔

یعنی انسانی آبادی جس میں مومن و مشرک دونوں ہی شامل ہیں "سب انسان (آدم علیہ السلام) کی اولاد ہیں انسانیت" کے لحاظ سے تمام انسانی دنیا ایک ہے یہاں کوئی "اچھوت" نہیں اس لئے کہ وہ آدم علیہ السلام کے علاوہ کسی دوسرے باپ کی جو جسم سے ناپاک پیدا کیا گیا ہو" اولاد نہیں ہے اور نہ کسی سے یہاں "چھوت" کا معاملہ درست ہے اس لئے کہ سب انسانی دنیا کا گوشت پوست ایک ہی باپ (آدم) اور ماں (حوا) کے گوشت پوست کا جزء ہے چنانچہ شیخ سعدی (علیہ الرحمہ) نے قرآنِ عزیز کی اس آیت کے مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضو ہا را نماند قرار

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com